المیۂ بیروت

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

بیروت میں اسرائیل کی وحشیانہ اور سفاکانہ کارروائیوں، فلسطینی پناہ گزینوں اور مجاہدین آزادی کے جبریہ انخلاء اور آخر میں لبنان کے ماروفی عیسائیوں اور فلانجسٹ کے ہاتھوں باقی ماندہ فلسطینیوں کا بے رحمانہ قتل عام، ایسا واقعہ ہے جو موجودہ دور اور متمدن دنیا میں عرصہ سے پیش نہیں آیا۔ اور جس کی نظیر دور دور تک نہیں ملتی۔

اس سے ایک طرف روز روشن کی طرح یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ موجودہ انسانی نسل میں اور اچھے متمدن تعلیم یافتہ اور تہذیب کے مدعی انسانوں میں بھی، اب بھی وہ خون انسانی بلکہ خونخواری پائی جاتی ہے جو ہزاروں برس پہلے دور جاہلیت کی خصوصیت اور بعض آدم خور قوموں اور قبائل کی روایت سمجھی جاتی تھی۔ اور اس کے متعلق باور کر لیا گیا تھا کہ علم و تہذیب باہمی تعارف اور اتحاد کی ضرورتوں نے اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے۔ اسی کے ساتھ بیروت کے ماروفی عیسائیوں کی تنظیم حزب الکتائب یا فلانجسٹ (جس کے لیڈر مقتول بشیر الجمیل تھے) کے ہاتھوں فلسطینیوں کے وحشیانہ قتل عام نے یہ ثابت کر دیا کہ مذہبی منافرت اور تعصب بھی خاص طور پر عیسائی دنیا یا کم از کم اس خطہ میں اسی طرح زندہ ہے جس طرح چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) میں یورپ کے صلیبی حملہ آوروں کے سینے میں موجزن تھا۔ جنہوں نے شاہ رچرڈ وغیرہ کی قیادت میں فلسطین پر حملہ کیا تھا اور شہر قدس (یروشلم) میں مسلمانوں کا اتنا خون بہایا تھا کہ حملہ آوروں کے گھوڑے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے عیسائی مقالہ نگار کے مطابق ـــــ گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمہ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ یہ حقیقت بھی آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و عیاں ہوگئی کہ کسی طاقت و عزم کے سامنے جو اپنے ناپاک مقاصد کو پورا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی مسلح و منظم اور صاحب عزم طاقت نہ ہو محض انسانی ضمیر، اخلاقی حس، انصاف و معقولیت پسند جماعتوں بلکہ حکومتوں

کی ملامت و مذمت، اقوام متحدہ جیسے عالمگیر ادارہ کا احتجاج اور اس کی تجاویز پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں اور ابھی تک اس متمدن دنیا میں جنگل کا قانون اور MIGHT IS RIGHT کا اصول چل رہا ہے۔ آئندہ اس عالمی ضمیر WORLD CONSCIENCE یا اقوام متحدہ UNITED NATIONS یا اپنے ہمدردوں، معقولیت پسند انسانوں کی مذمت و ملامت اور مظاہروں سے امید رکھنا طفل تسلی، فریب نفس بلکہ خودکشی سے کسی درجہ کم نہیں۔ اس کی بے اثری اور بے وزنی جیسی اس المیہ کے موقعہ پر ظاہر ہوکر رہی۔ ویسی عرصہ دراز سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

اسی طرح یہ بات بھی ایک بدیہی حقیقت بن کر سامنے آگئی کہ دنیا کی دو بڑی طاقتوں (امریکہ و روس) پر بھروسہ کرکے کوئی اقدام کرنا یا ان سے کوئی امید رکھنا دنیا کی سب سے بڑی حماقت اور بدنصیبی ہے۔ جس کا اب قطعاً کوئی کوئی جواز نہیں رہا۔ نہ روس نے ان ملکوں کا ساتھ دیا (جیسے شام) جو اس کے کیمپ میں تھے۔ نہ امریکہ نے ان ملکوں کا ساتھ دیا جو اس کی حفاظتی چھتری کے نیچے تھے اور انہوں نے اس کو اپنے مفادات کا محافظ اور اپنے وجود و بقا کا ضامن سمجھا تھا بلکہ جہاں تک امریکہ کا تعلق ہے اسرائیل اس کا سدھایا ہوا کتا (کلب معلّم) ہے جو اپنے مالک کے اشارے و اجازت بلکہ حکم سے شکار پر دوڑتا ہے۔ اور اس کو مار کر اس کے قدموں پر ڈال دیتا ہے۔ جدید معلومات و بیانات نے ثابت کردیا کہ جو کچھ ہوا وہ پہلے سے امریکہ کے علم میں تھا۔ یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس سب سے بڑے متمدن و ترقی یافتہ ملک کے ضمیر میں جو جانوروں اور پرندوں کی تکلیف بھی نہیں دیکھ سکتا مسلمانوں اور عربوں کے ساتھ اسرائیل اور مارونیوں کی اس بربریت نے کوئی حرکت اور اثر پیدا نہیں کیا اور نہ وہاں اس کے خلاف اتنے بھی مظاہرے نہیں ہوئے جتنے خود اسرائیل میں ہوئے۔

یہ بھی ثابت ہوگیا کہ امریکہ لبنان کو مشرق وسطیٰ اور عربی دنیا میں اسی طرح اپنی چوکی اور ایک ایسی علیحدہ غیر مسلم (عیسائی) ریاست بنانا چاہتا ہے جو اس کے مفادات کی محافظ اور اس کی ایجنٹ ہو۔ ٹھیک جن مقاصد کے تحت برطانیہ نے عالم عربی کے قلب میں اسرائیل کو قائم کیا اور وہ اس وقت کے عرب حکمرانوں کی ضمیر فروشی، بے حمیتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب ہوگیا۔ جنہوں نے اس کے منشا کی تکمیل میں اپنے حقیر و محدود مقاصد کی خاطر کوئی سنجیدہ اور باعزم مزاحمت نہیں کی۔ بلکہ اپنی پبلک کو دھوکا دینے کے لئے جنگ کا ایک ڈرامہ کھیلا جس میں ان کو صرف اتنا ہی کردار ادا کرنا تھا جس کی ان کے اولیائے نعمت کی طرف سے اجازت یا مقصد براری کے لئے ضرورت تھی۔

راقم الحروف کو اپنے ۱۹۵۱ء کے سفر بیت المقدس میں معتبر راویوں اور چشم دید گواہوں کے ذریعہ (جنہوں نے تنہائیوں میں رو رو کر یہ داستان غم سنائی تھی) ان حقائق کا یقینی علم ہے اور وہ اپنے سفر نامے اور روزنامچے (مشرق وسطیٰ کی ڈائری) میں ان حقائق کا اظہار کرچکے ہیں۔ ان حقائق کے ساتھ جن کا تعلق بیرونی طاقتوں، حملہ آور تنظیموں اور ان کا ساتھ دینے والوں سے ہے اس حقیقت کا بھی علم و انکشاف اور اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اس المیہ اور قیامت خیز واقعہ کے موقع پر جس کے سامنے

تمام مسلمانوں کی گردنیں جھک گئیں اور ان کو دنیا کے ہر حصہ میں اپنی ذلت و ہزیمت کا احساس ہوا۔ عالم اسلام کی جس بے بسی اور عالم عربی کی جس بے حمیتی و بے حسی کا اظہار ہوا جس سے ان دونوں کو کلیتہً بری نہیں قرار دیا جا سکتا اس کی اصل ذمہ داری مشرق وسطیٰ کی عرب حکومتوں پر ہے۔ مسلم و عرب عوام (جیسا کہ مجھے خاص ذرائع سے معلوم ہے اس وقت سخت روحانی کرب اور قلبی اذیت میں مبتلا ہیں لیکن پچھلے واقعات کے نتیجہ میں اور بڑی طاقتوں کے اشارے و مشورے پر ان کو بالکل بے بس بنا دیا گیا ہے۔ اس وقت بھی مشرق وسطیٰ میں ایسے بڑے طاقت ور اور مسلم عرب ملک ہیں جو تنہا اسرائیل کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی ساری طاقت، صلاحیت و ذہانت اپنے ہی قوموں اور باشندگانِ ملک کے دینی جذبات، اسلامی حمیت اور اظہار خیال کی آزادی اور ایک بہتر اسلامی معاشرہ اور اسلامی زندگی کی خواہش و مطالعہ کو کچلنے اور ہمیشہ کے لئے ان سے خلاصی حاصل کر لینے میں صرف ہو رہی ہے۔ اور اصل میدانِ جنگ اور معرکہ ان حکومتوں اور قوموں کے درمیان ہے جو ایک طرف اس کی فرصت نہیں دیتا کہ وہ مشترک خطرے کی طرف توجہ کر سکیں۔ دوسرے انہوں نے اس طاقت ہی کو کمزور و مجبور کر دیا جو حق و باطل اور انصاف و ظلم کی اس جنگ میں ان کے کام آتی اور اپنے جذبہ ایمانی اور سرفروشی و جاں سپاری سے وہ نمونہ پیش کرتی جو قرون اولیٰ کے ساتھ مخصوص سمجھے جاتے ہیں اور جس کا تھوڑا سا نمونہ ۱۹۴۸ء میں انہوں نے عرب و اسرائیل کی جنگ میں فلسطین کے میدان میں دیکھا تھا پھر ان حکومتوں کے ساتھ مختلف درآمد کئے ہوئے فلسفوں اور ذاتی اغراض کی بنا پر اختلاف و انتشار کی وہ علت لگی ہوئی ہے جس کو صرف وحدت اسلامی، جذبہ ایمانی یا مشترک دشمن کے خطرے کا شدید احساس ہی دور کر سکتا ہے۔ اور افسوس ہے کہ ان عرب حکومتوں میں اور ان ملکوں میں جنہوں نے قومیت اشتراکیت اور البعث العربی کے علیحدہ علیحدہ جھنڈے بلند کر رکھے ہیں۔ متحد کرنے والی طاقتوں کا یکسر فقدان ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ بھی ایک المناک حقیقت ہے کہ جو ممالک نسبتہً ان درآمدہ فلسفوں سے بچے ہوئے ہیں ان کو دولت کی بہتات اور عیش و تنعم گھن کی طرح کھا چکا ہے۔ اور اس نے ان کو کسی مہم جوئی، جفاکشی اور سرفروشی کے قابل نہیں رکھا ان کو تو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ امریکی کمپنیوں اور مال کا مقاطعہ کر کے امریکہ کے طرز عمل سے اپنی بیزاری یا ناپسندیدگی کا اظہار کریں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پورے عالم اسلام میں اس طاقت میں تشویش کی حد تک انحطاط و زوال پیدا ہو چکا ہے جس کو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

ولا تهنوا فی ابتغاء القوم۔ ان تکونوا تالمون فانهم یالمون کما تالمون۔ و ترجون من الله مالا یرجون	اور دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا۔ اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں۔ اور تم

(النساء - ۱۰۴) خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے

جس طاقت اور جذبۂ ایمانی کے مظاہر قرون اولیٰ کے مسلمانوں - درمیانی وقتوں کے جاں بازوں اور تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کے وسط میں حضرت سید احمد شہیدؒ - مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے ترتیب کئے ہوئے ساتھیوں میں نظر آئے - افسوس ہے کہ سید صاحب کی تحریک کے بعد ڈیڑھ سو برس سے اس جذبہ ایمانی اور جذبۂ قربانی کو زندہ کرنے کی کوئی مؤثر اور منظم دعوت (کسی قدر مصر کے اخوان کو مستثنیٰ کرکے) سامنے نہیں آئی - اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کی اس بے بسی، بے حمیتی اور بے حسی اور اسرائیل اور مارونی فرقے کی بے باکی اور بے پرواہی کی شکل میں نظر آرہا ہے -

آج سے ۹، ۱۰ سال پہلے ۱۹۷۳ء میں راقم سطور نے بیروت کے چند روزہ قیام کے بعد اپنے سفرنامہ (دریائے کابل سے دریائے یرموک تک) میں ان احساسات اور خطرات کا اظہار کیا تھا جو اب واقعہ بن کر سامنے آ گئے - مصنف کو اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا کہ فلسطینی مجاہدین اور پناہ گزیں بیروت میں ناخواندہ مہمان کی طرح مقیم ہیں اور وہاں کی عیسائی آبادی اور حکومت نے ان کو دل سے قبول نہیں کیا ہے اور کئی بار فلسطینیوں اور لبنانی فوج میں جھڑپیں ہوئیں - یہاں پر اس اقتباس کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا -

"(۳۰ جولائی ۷۳ء کو) ہم فدائین کے مرکز سے گذرے جہاں لبنانی فوج اور فدائین کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا - ہم نے دیکھا کہ مقابل مذہبی جذبات اور متصادم سیاسی اغراض نے اس معرکہ میں کیا کردار ادا کیا ہے ملک کی زندگی اور آبادی کے مختلف عناصر کے باہمی تعلقات پر اس جنگ کا کتنا گہرا اثر ہے - عمارتوں کی دیواروں میں گولیوں اور بموں کے نشان اور لوگوں کے دلوں میں ان کے ناسور دیکھے - پناہ گزینوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ جس پیچیدگی، ابہام اور تضاد کا شکار ہے جس کی نظیر موجودہ دنیا کے دوسرے مسائل میں ملنا مشکل ہے - اس کے سمجھنے میں مدد ملی -

اس علاقہ سے بھی ہمارا گذر ہوا جہاں فلسطینی پناہ گزیں رہتے ہیں - اس علاقہ میں افلاس، پسماندگی - گندگی اپنے مستقبل کی طرف سے مایوسی، بے اعتمادی اور موجودہ حالات سے بیزاری عام ہے - یہ تمام چیزیں اس ملک کے لئے نہیں پوری عرب دنیا کیلئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں - یہ صورت حال ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی خواہ اس کے دور کرنے میں کتنا ہی وقت لگے - اور اس پر پردہ ڈالنے کی کیسی ہی کوشش کی جائے — دوسری طرف پورا ملک زندگی کی نعمتوں اور آسائشوں سے لطف اندوز ہو رہا ہے اور ہر جگہ دولت کی ریل پیل ہے" (ص ۱۳۴) —— خدا کرے یہ واقعہ جس نے سارے عالم اسلام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے عالم اسلام بالخصوص عالم عربی کی قیادتوں کے اتحاد اور مسلمانوں میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور نئی بیداری اور تیاری کا سبب بن جائے کہ اس سے کم درجہ کی چیز سے تلافی نہیں ہو سکتی کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد ٭